بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

ہندوستان کی شرعی و قانونی حیثیت

سید جلال الدین عمری

کسی بھی ریاست کو صلح و جنگ، امن و بدامنی، فساد اور بغاوت اور داخلی اور خارجی خطرات سے سابقہ پیش آسکتا ہے۔ اس کے لئے وہ قانونی اور دستوری حقوق رکھتی ہے اور مناسب حال اقدام کرتی ہے۔ اس طرح کے حالات سے اسلامی ریاست بھی گزرسکتی ہے۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے قرآن و حدیث میں احکام موجود ہیں اور فقہاء نے ان کی تفصیلات مرتّب کی ہیں۔

فقہاء نے دنیا کے ممالک کو دارالاسلام، دارالحرب یا دارالکفر، دارالعہد اور دارالبغی میں تقسیم کیا ہے اور ہرایک کے احکام بیان کئے ہیں۔ یہاں ان اصطلاحات کی تھوڑی سی وضاحت کی جارہی ہے۔ اس سے آگے کی گفتگو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

دارالاسلام

جس خطۂ زمین پر اسلام کے احکام نافذ ہوں وہ دارالاسلام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دارالکفر میں اسلامی احکام کا نفاذ اسے دارالاسلام میں تبدیل کردے گا۔ علامہ علاءالدین کاسانی کہتے ہیں۔

لاخلاف بین اصحابنا فی أن دار الکفر تصیر دارالإسلام بظهور احکام الاسلام فیها۔[1]	ہمارے اصحاب کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دارالکفر میں اگر احکام اسلام نمایاں ہوجائیں تو وہ دارالاسلام ہوجائے گا۔

---

[1] کاشانی، بدائع الصنائع: ۷/۱۹۳۔ طبع بیروت ۱۹۹۶ء

درِّ مختار میں ہے :

دار الحرب تصیر دار الاسلام باجراء احکام اھل الاسلام فیھا کجمعۃ وعید وان بقی فیھا کافر اصلی وان لم تتصل بدار الاسلام۔ [1]	دار الحرب میں اہلِ اسلام کے احکام جیسے جمعہ اور عید کا اجرار عمل میں آجائے تو وہ دار الاسلام ہو جائے گا، چاہے اس میں اصلی (قدیم) کافر باقی رہے اور چاہے وہ دار الاسلام سے ملا ہوا نہ ہو۔

دار الحرب

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دار الاسلام کے دار الکفر میں تبدیل ہونے کے لئے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ وہاں احکامِ کفر کا غلبہ اور نفاذ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کی سرحدیں دار الکفر سے مل رہی ہوں، تیسری شرط یہ کہ وہاں کسی مسلمان یا ذمی کے لئے اسلام کی عطا کردہ امان باقی نہ رہے۔

اس بحث کا تعلق ایک ایسی صورتِ حال سے ہے جس میں دار الاسلام کا کوئی علاقہ بغاوت کر کے دار الکفر ہونے کا اعلان کر دے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان تین شرائط کے بعد ہی اس کا غلبہ مکمل ہو گا۔ اس کے علاوہ امام ابو حنیفہؒ نے اس بات کو بھی اہمیّت دی ہے کہ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کی جو ذمّہ داری لیتی ہے وہ عملاً ختم ہو جائے۔

امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، فقہاء مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جس ملک یا علاقہ میں احکامِ کفر کا غلبہ ہو وہ دار الکفر یا دار الحرب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دار الکفر میں احکامِ اسلام کے نافذ ہونے سے وہ دار الاسلام قرار پاتا ہے اسی طرح دار الاسلام کے کسی حصّہ میں احکامِ کفر کا نفاذ عمل میں آجائے تو وہ دار الکفر میں بدل جائے گا۔ علاّمہ سرخسی نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

اذا اظھروا احکام الشرك فیھا فقد	اگر دار الاسلام کے کسی علاقہ میں مشرکین

---

[1] الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۲۸۸ - ۲۸۹ - دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۴ء

صارت دارهم دار حرب، لان البقعة انما تنسب الينا او اليهم باعتبار القوة والغلبة، فكل موضع ظهر فيها حكم الشرك فالقوة في ذلك الموضع للمشركين فكانت دار حرب وكل موضع كان الظاهر فيه حكم الاسلام فالقوة فيه للمسلمين[1]

احکام شرک کا اظہار کریں (علی الاعلان نافذ کردیں) تو ان کا دار، دار حرب ہوگا۔ اس لئے کہ کوئی بھی علاقہ ہماری یا ان کی جانب، قوت اور غلبہ ہی کی بنیاد پر منسوب ہوتا ہے۔ جس جگہ احکام شرک نافذ ہوجائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جگہ مشرکین کو اقتدار اور قوت حاصل ہے، اس لحاظ سے وہ دارالحرب ہے۔ اس کے برعکس جس جگہ حکم اسلام ظاہر اور غالب ہو تو وہاں گویا مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے۔

فقہ حنفی میں امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کی اسی رائے کو تقاضائے قیاس کہا گیا ہے[2]۔

اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جس غیر مسلم ملک میں کبھی اسلامی حکومت نہ قائم ہوئی ہو اور اسلامی احکام نافذ نہ ہوئے ہوں، وہ دارالحرب ہے۔ لیکن جو ملک اسلام کے غلبہ کی وجہ سے ایک مرتبہ دارالاسلام بن جائے وہ ہمیشہ دارالاسلام رہے گا۔ کبھی دارالحرب یا دارالکفر نہ ہوگا۔ چاہے اس پر کفار کا غلبہ ہو جائے۔ وہاں احکام کفر جاری ہو جائیں اور مسلمان وہاں سے نکال دیئے جائیں[3]

یہ ایک کمزور نقطۂ نظر ہے، اس لئے کہ اس میں سیاسی حالات کے تغیر اور اس سے پیدا ہونے والے فرق کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جس ملک پر اہل کفر کا غلبہ ہو جائے اور احکام کفر جاری وساری ہو جائیں اسے محض اس وجہ سے دارالاسلام قرار دینا کہ وہ کبھی دارالاسلام تھا، نظری بحث کا موضوع تو ہو سکتا ہے لیکن عملی لحاظ سے اس میں کوئی وزن نہیں ہے۔ دارالکفر اور دارالاسلام کے احکام مختلف ہیں۔ بہت سے احکام جن پر عمل

---

[1] سرخسی، المبسوط: ۱۰/۱۱۴ ۔ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۳ء۔ نیز ملاحظہ ہو۔ کاشانی، بدائع الصنائع: ۷/۱۹۴ ۔

[2] رد المحتار علی الدر المختار: ۶/۲۸۸ ۔

[3] الموسوعۃ الفقہیہ، کویت: ۲۰/۲۰۲ ۔ الطبعۃ الثانیہ ۱۹۹۰ء

کرنا ایک مسلمان کے لئے دارالاسلام میں واجب ہے اور عمل نہ ہو تو وہ گناہ گار اور قابل مواخذہ ہو گا، دارالکفر میں وہ ان کا مکلّف نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس پر عمل کے اسے مواقع حاصل نہیں ہوتے۔

ایک بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ جس ملک میں اسلامی احکام نافذ تھے بعد میں اس پر کفر کا غلبہ ہو گیا اسے ہم دارالکفر کی جگہ دارالاسلام ہی قرار دیں تو یہ تصوّر زندہ رہے گا کہ یہ ملک اصلاً دارالاسلام ہے۔ اسے صحیح معنی میں دارالاسلام بنانے کی کوشش ہونی چاہیئے اور ان تمام رکاوٹوں کو دور ہونا چاہیئے جو اس راہ میں حائل ہیں۔ لیکن یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ دارالکفر کو دارالاسلام بنانے کا جذبہ بیدار کر کے بھی یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

دارالعہد

دارالعہد یا دارالصلح کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ کسی غیر اسلامی ملک سے اسلامی ریاست اس بات کا معاہدہ کرے کہ اس کی زمینوں پر اسلامی ریاست کا قبضہ ہو گا، البتہ وہ اس کے باشندوں کے قبضہ میں رہیں گی اور وہ اسلامی ریاست کو خراج ادا کریں گے۔ اس کے جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اسلامی ریاست کسی غیر اسلامی ملک سے یہ معاہدہ کرے کہ زمین اس کے باشندوں ہی کی ہو گی اور وہ خراج ادا کریں گے۔ بعض فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض نے اختلاف کیا ہے [1]

دارالبغی

مسلمانوں کا کوئی گروہ اسلامی ریاست (امامِ برحق) کے خلاف کسی تاویل اور توجیہ کی بنیاد پر بغاوت کر دے، اس کے پاس فوج اور اقتدار بھی ہو اور وہ ریاست ہی میں کسی جگہ اپنی حکومت قائم کرلے تو اسے دارالبغی کہا جائے گا۔ اس گروہ کو سمجھایا جائے گا اور ان کے شبہات دور کئے جائیں گے لیکن اگر وہ جنگ کرے تو مقابلہ کیا جائے گا

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الموسوعۃ الفقہیہ: ۲۰/۲۱۷-۲۲۰۔ ماوردی، الاحکام السلطانیہ: ص ۲۲۴ دارالکتب العربی بیروت ۱۹۹۰ء

اور بغاوت ختم کی جائے گی۔ باغیوں کے احکام کفار کے احکام سے اور دار البغی کے احکام دار الحرب سے مختلف ہیں[1]

معاہدۂ صلح

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ایک مسئلہ کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اسلامی ریاست، غیر اسلامی ریاستوں سے امن اور صلح کا معاہدہ بھی کرسکتی ہے، اگر اس میں اس کا مفاد ہو۔ اس کے لئے مخالف ریاست سے معاوضہ لے بھی سکتی ہے اور اسے دے بھی سکتی ہے۔ ایک سوال یہ ہے کہ اس طرح کے معاہدہ کی مدّت کتنی ہوسکتی ہے؟ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ دس سال کے لئے ہوئی تھی۔ اس لئے یہ مدّت اس سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کی مدّت متعین نہیں ہے۔ یہ حالات کے لحاظ سے کم یا زیادہ ہوسکتی ہے[2]

ایک اصولی بات

یہ ساری بحثیں اصلاً اسلامی ریاست کے پیشِ نظر کی گئی ہیں کہ دوسری ریاستوں کے سلسلہ میں اس کا کیا موقف ہوگا اور وہ ان سے کس طرح کا معاملہ کرے گی۔ کبھی خدانخواستہ اسلامی ریاست کا وجود باقی نہ رہے اور اس پر غیر اسلامی طاقتوں کا قبضہ ہوجائے تو اس کا کیا حکم ہے، یا اسلامی ریاست کا کوئی حصہ بغاوت کردے اور اپنا الگ نظام قائم کرلے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اسی طرح کوئی ملک اسلام قبول کرلے اور اسلامی قوانین نافذ کردے تو اس کا کیا حکم ہے؟ یا یہ کہ اسلامی ریاست کا غیر اسلامی ریاستوں سے امن کا معاہدہ کن شرائط کے ساتھ ہوگا؟ ان میں سے بعض باتیں آج کے حالات میں غیر متعلق معلوم ہوتی ہیں لیکن اسلام کے موقف کو سمجھنے میں ان سے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ابن الہمام، فتح القدیر: ۶/۹۳ - ۱۰۲، رد المحتار علی الدر المختار: ۶/۴۱۷-۴۲۱

[2] ابن رشد، بدایۃ المجتہد: ۳/۳۸۴ - ۴۱۴، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۶ء - ابن الہمام، فتح القدیر: ۶/۴۴۰ - ۴۴۱ - ابن قدامہ، المغنی: ۱۳/۱۵۴ - ۱۵۷۔

ضرور مدد ملتی ہے۔

ان مباحث کی روشنی میں، آیئے ہندوستان کی فقہی اور قانونی حیثیت پر غور کریں۔ اس کے لئے ہندوستان کی مسلم تاریخ اور موجودہ دستوری اور سیاسی صورتِ حال کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

مسلمانوں کا دورِ اقتدار

ہندوستان میں مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے، لیکن اس ملک کے بڑے حصہ پر انہیں سیاسی غلبہ اور اقتدار حاصل تھا۔ اس اقتدار کی مدت کئی سو سال تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس طویل عرصہ میں ملک آزاد اور مختار تھا۔ اسلام پر عمل کی آزادی تھی۔ اسلام کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رہا، اصلاح کی کوششیں بھی کام کرتی رہیں۔ بڑی حد تک اسلام کے فوجداری قوانین نافذ رہے۔ فقہاء نے ممالک کی جو تقسیم کی ہے، اس کے لحاظ سے یہ 'دارالاسلام' تھا۔

اس کے بعد انگریزوں کا دور شروع ہوا۔ انگریز یہاں تجارت کے لئے آئے لیکن آہستہ آہستہ انہوں نے مسلمانوں کو اقتدار سے بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے جگہ جگہ مزاحمت کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور ملک پر بالکلیہ انگریزوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اس طرح یہ ملک 'دارالکفر' قرار پایا اور مسلمان اسے دارالاسلام میں تبدیل نہ کر سکے۔ اس وقت دو راستے اختیار کئے گئے۔ ایک راستہ ہجرت کا تھا اور دوسرا جہاد کا۔ بعض دین دار حضرات نے ہجرت کی لیکن اتنی بڑی آبادی کے لئے اس کا کوئی امکان نہ تھا۔ جہاد بھی کیا گیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

انگریز کی حکومت

جب اس ملک پر انگریزوں کا اقتدار باقاعدہ قائم ہو گیا اور عملاً اس کا موقع نہیں رہا کہ اس اقتدار کو ہٹا کر دوبارہ ملک کو 'دارالاسلام' میں تبدیل کیا جائے تو علماء امت اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم نے اسی اقتدار کے تحت اپنے وجود و بقا اور دین کے تحفظ کی جو صورت ممکن نظر آئی وہ اختیار کی۔ خود سے دینی تعلیم و تربیت کا نظم کیا، مسلم معاشرہ کی اصلاح اور اس کے اسلامی کردار کو باقی رکھنے کی کوشش کی، مساجد کی تعمیر ہوئی، مکاتب

اور مدارس کا قیام عمل میں آیا، پرسنل لا پر عمل کی اجازت تھی، اس سے فائدہ اٹھایا گیا اور بیرونی مداخلت سے اس کی حفاظت کی گئی۔ البتہ جن قوانین پر عمل کے لئے اقتدار اور حکومت کی ضرورت تھی ان پر عمل نہیں کیا جاسکا۔ غرض یہ کہ اسلام پر عمل کی جو ممکنہ صورتیں تھیں وہ اختیار کی گئیں۔

ملک کی آزادی اور بعد کی صورتِ حال

ایک صدی تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر ملک میں آزادی کی تحریک اٹھی۔ اس میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں نے بھی زور شور سے حصّہ لیا۔ اس میں علماء کرام پیش پیش تھے۔ انہوں نے غیر معمولی قربانیاں دیں۔ اس وقت ملک کو دارالاسلام بنانے یا اسلامی حکومت قائم کرنے کا سوال درپیش نہیں تھا بلکہ غیر ملکی حکمرانوں سے نجات حاصل کرنا پیش نظر تھا۔ تاکہ ان کے ظلم وستم سے نجات ملے، امن وامان قائم ہو، سب کو عدل وانصاف ملے، دین پر عمل کرنا آسان ہو، دین کی تعلیم وتبلیغ کے زیادہ مواقع حاصل ہوں، پرسنل لا پر عمل کی آزادی باقی رہے، ملیّ تشخص برقرار رہے، مغربی تہذیب میں انہیں ضم کرنے کی جو کوشش جاری تھی اس سے نجات ملے اور وہ برابر کے سیاسی، تہذیبی، تعلیمی اور معاشی حقوق کے ساتھ یہاں رہ سکیں۔

آزادی کے بعد دستور ساز اسمبلی بنی، ملک کا دستور مرتب ہوا۔ اس کی ترتیب میں غیر مسلموں کے نمائندے اور مسلمانوں کے نمائندے دونوں شریک رہے۔ دستور کی اساس سیکولرزم اور جمہوریت پر رکھی گئی ہے، جو عقل اور تجربہ سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ان کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں کے بعض دانشوروں کی جانب سے سیکولرزم اور جمہوریت کے نظریات کو اس حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ مذہب مخالف نہیں ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کے معاملہ میں ریاست غیر جانب دار ہوگی اور فیصلوں کا طریقہ جمہوری ہوگا۔

دستور کے اس سیکولر اور جمہوری کردار کی وجہ سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اسے اسلامی یا غیر اسلامی کی اصطلاحات میں نہیں دیکھا جاسکتا، اس لئے کہ یہ اسلام یا کفر کی بنیاد پر مرتب نہیں ہوا ہے۔ اس میں ملک وقوم اور اس کے مختلف طبقات کا محض دنیوی مفاد

پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یہ اسلام یا کفر کی حمایت یا مخالفت میں نہیں ہے۔ مذہب اور عقیدہ کے بارے میں اس کا رویّہ غیر جانبدارانہ ہے۔

یہ تجزیہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ سیکولرزم اور جمہوریت کا جو بھی مفہوم بیان کیا جائے وہ ایک غیر اسلامی تصوّر ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے بے نیازی اور انکار بہرحال موجود ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت اور راہنمائی کا نام ہے۔ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ ہی کو قانون دینے کا حق حاصل ہے۔ انسان کا کام قانون سازی نہیں بلکہ اللہ کے قانون کی اتباع ہے۔ اسلامی ریاست بھی قوانین وضع کرے گی، لیکن یہ قوانین اس کی دی ہوئی ہدایات کے تحت ہوں گے۔ ان سے آزاد ہو کر وہ کوئی قانون وضع نہیں کر سکتی۔

اتنی بات واضح ہے کہ ہندوستان کا دستور سیکولر اور جمہوری ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہاں وہ قانون نافذ ہے جسے کسی آسمانی ہدایت اور راہنمائی کے بغیر ملک کے نمائندوں نے مرتّب کیا اور پارلیمنٹ نے پاس کیا ہے۔ یہ انسانی قانون ہے۔ یہاں کی معیشت اور سیاست بلکہ پوری اجتماعی زندگی اسی کے تابع ہے۔

فقہاء اسلام نے 'دار' کی جو تقسیم کی ہے، اس کی رو سے یہ 'دارالاسلام' نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں اسلام کے احکام و قوانین نافذ نہیں ہیں۔ یہ 'دارالعہد' بھی نہیں ہے کہ یہاں کے باشندوں کو اسلامی ریاست نے بعض شرائط کے ساتھ حقِ شہریت دیا ہو۔ یہ 'دارالبغی' بھی نہیں ہے کہ اسلامی ریاست سے اس نے بغاوت کر کے اپنی الگ ریاست قائم کی ہو۔ یہ 'دارالعہد یا دارالصلح' بھی نہیں ہے کہ اسلامی ریاست سے اس کی امن کی شرائط پر صلح ہوئی ہو۔

بعض حضرات کے نزدیک یہ ملک دارالحرب یا دارالکفر ہے اس لئے کہ یہاں احکامِ اسلام نافذ نہیں ہیں۔ 'دار' کی جتنی شکلیں اوپر بیان ہوئی ہیں، ان میں ہندوستان کے ذیل میں 'دارالحرب' کا بار بار ذکر آتا ہے، اس لئے اس پر تفصیل سے اظہارِ خیال کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

دارالحرب کے مسلمانوں کے لئے بعض حالات میں ہجرت واجب ہو جاتی ہے، بعض حالات میں فقہاء نے دارالحرب میں قیام کو جائز اور بعض حالات میں ضروری قرار دیا ہے۔

اس پر تفصیل سے بحث گزر چکی ہے [۱]

یہاں مزید ایک حوالہ دیا جا رہا ہے۔ شرح المہذب میں ہے [۲]

دار الحرب میں اگر آدمی اس موقف میں ہے کہ اپنے دین کا اظہار کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ اپنی قوم کا سردار ہے یا اس کے قبیلہ کی اسے حمایت حاصل ہے اور وہ اسے حفاظت فراہم کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ اسے اپنے دین کے سلسلہ میں کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو اس پر ہجرت واجب نہیں ہوگی البتہ مستحب ہوگی۔ اس استحباب کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ دار الحرب میں اس کا قیام اس کی آبادی میں اضافہ کا سبب ہوگا، کفار کے درمیان رہنے بسنے کی وجہ سے ان کی (تہذیب، معاشرت اور عقیدہ کی) طرف رجحان کا خطرہ رہے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کے خلاف کوئی سازشیں کریں (اور اسے نقصان پہنچانے کی تدبیر کریں)۔

اگر کوئی شخص (یا گروہ) اس موقف میں ہے کہ دار الحرب میں ظلم و زیادتی سے اپنی حفاظت کر سکے اور کفار سے کٹ کر کسی جگہ (علاقہ) الگ رہ سکے تو اس کے لئے دار الحرب میں قیام ضروری ہے۔ اس لئے کہ جس جگہ وہ اس موقف میں ہے وہ 'دار الاسلام' ہے۔ اگر وہ وہاں سے ہجرت کر جائے تو وہ 'دار الحرب' بن جائے گا۔ اس لئے جیسا کہ امام رافعیؒ نے کہا ہے کہ ہجرت اس کے لئے حرام ہے۔ اس کے لئے واجب ہے کہ وہیں رہتے ہوئے مشرکین کو محبت و گفتگو کے ذریعہ اسلام کی دعوت دے اور معاندین سے (جہاد کی نوبت آجائے تو) جہاد بھی کرے [۳]

دار الحرب میں جو شخص اپنی حفاظت تو کر سکتا ہے لیکن اسے الگ کوئی خطہ حاصل نہیں ہے (جہاں وہ آزاد اسلامی زندگی گزار سکتا ہو) تو اس کے لئے ہجرت واجب

---

[۱] ملاحظہ ہو: سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جنوری-مارچ ۱۹۸۲ء مضمون 'غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیت کا شرعی موقف'

[۲] المہذب' امام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف الشیرازی' المتوفی ۴۷۶ھ کی فقہ شافعی پر بہت معتبر اور مستند کتاب ہے۔ امام نوویؒ نے اس کی شرح شروع کی لیکن ربٰو کی بحث تک پہنچے تھے کہ انتقال ہوگیا۔ حال میں ڈاکٹر محمود مطرجی نے کتاب کی تحقیق اور بعد کے حصوں کی تکمیل کی ہے۔ کتاب بائیس (۲۲) جلدوں میں شائع ہوئی ہے

[۳] یہ کسی ملک کے ایک خطہ میں آزاد مملکت کا تصور ہے۔ اس وقت اس سے بحث نہیں ہے کہ آج کے دور میں اس کا کوئی امکان ہے یا نہیں؟ یہاں تو صرف فقہاء کے خیالات پیش نظر ہیں۔

نہیں ہوگی، البتہ وہاں اسے اسلام کے ظہور کی توقع ہو تو اس کے لئے واجب ہوگا کہ وہیں قیام کرے اور ہجرت نہ اختیار کرے۔ اسی طرح وہ اس صورت میں بھی ہجرت نہیں کرے گا جب کہ یہ توقع ہو کہ اس کے وہاں قیام سے مستقبل میں مسلمانوں کو نصرت وحمایت حاصل ہوگی۔[1]

ان فقہی تفصیلات میں سے بعض وہ ہیں جن کا اس دور کے مخصوص بین الاقوامی حالات سے تعلق ہے۔ ان سے بحث کی اس وقت ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ ان سے اتنی بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ دارالکفر یا دارالحرب کی ایک ہی نوعیت نہیں ہے۔ بلکہ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ اس میں کسی مسلمان فرد یا گروہ کو دین کے اظہار اور اس پر عمل کی اجازت نہ ہو، اس کی وجہ سے اسے سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑ رہی ہوں اور وہ ظلم وزیادتی کا مقابلہ کرنے کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو اس صورت میں اس کے لئے وہاں سے ہجرت کرنا ضروری قرار پائے گا تاکہ وہ اپنے دین و ایمان کے مطابق عمل کر سکے۔

دارالحرب کی دوسری قسم وہ ہے جہاں آدمی کو دین پر عمل کی اور دعوتِ دین کی آزادی حاصل ہو، وہ ظلم وزیادتی سے محفوظ ہو، ظلم ہو تو اسے دفاع کا حق حاصل ہو، اس کا وہاں قیام امتِ مسلمہ کے لئے مفید ہو تو اس کے لئے ہجرت صحیح نہیں ہے۔ وہاں قیام واجب ہے۔

مسلمانوں کی دستوری حیثیت

موجودہ دور کے جمہوری ممالک میں اقلیتوں کو وہ بیشتر بلکہ تمام تر حقوق حاصل ہیں جو ان ممالک میں قیام اور انہیں وطن بنانے کے لئے وجہِ جواز فراہم کرتے ہیں بلکہ لازم قرار دیتے ہیں۔ ہندوستان کا شمار بھی ان ہی ممالک میں ہوتا ہے۔ یہاں از روئے دستور تمام شہریوں کے حقوق یکساں ہیں، جو حقوق اکثریت کو حاصل ہیں وہی حقوق اقلیتوں کے بھی ہیں بلکہ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی دستور میں خاص طور پر ضمانت دی گئی ہے۔

ہندوستان کے دستور نے یہاں کے ہر شہری کے جو حقوق تسلیم کئے ہیں، ان میں عقیدہ و مذہب کی آزادی بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک کا ہر شخص جو عقیدہ

---

[1] المجموع شرح المہذب، شرح و تحقیق دکتور محمود مطرجی: ۲۱/۴-۵۔ دار الفکر بیروت لبنان ۱۹۹۶ء

چاہے رکھ سکتا اور جو مذہب چاہے اختیار کرسکتا ہے۔ کسی کو کسی مذہب اور عقیدہ کا پابند نہیں بنایا گیا ہے۔ اسے اپنے مذہب کے مطابق عبادت اور عمل کرنے اور مذہبی تعلیم اور مذہبی ادارے چلانے کا حق ہے۔ وہ مذہب کی تبلیغ کا حق رکھتا ہے۔ ہر مذہبی گروہ کو اپنے پرسنل لا پر عمل کی اجازت ہے۔

ان دستوری حقوق کی رو سے ملک کے مسلمان بغیر کسی روک ٹوک کے اسلامی عبادات بجالا سکتے ہیں۔ نماز، روزہ اور حج جیسے فرائض ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ کا نظم قائم کرسکتے ہیں۔ مساجد کی تعمیر اور ان کی آبادکاری سے انہیں باز نہیں رکھا جا سکتا۔ مدارس کے قیام اور دینی تعلیم کا انتظام ان کا قانونی حق ہے۔ انہیں اپنے پرسنل لا پر عمل کرنے میں، جو ان کی خاندانی، سماجی اور معاشرتی زندگی کے بہت بڑے حصّہ کا احاطہ کرتا ہے، کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ وہ اسلام کو اللہ کے دین کی حیثیت سے ملک کے سامنے پیش کرسکتے ہیں اور بتا سکتے ہیں کہ اس کے اندر پوری نوعِ انسانی اور خود اس ملک کی فلاح موجود ہے۔

اسی طرح دستور نے ہر شہری کو اظہارِ خیال کی، جماعت سازی کی، تجارت، ملازمت اور پورے ملک میں سفر کی آزادی دی ہے۔ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ رکھنے اور اس میں تصرف کرنے کا حق دیا ہے۔ ان تمام حقوق میں ایک فرد اور دوسرے فرد کے درمیان کسی قسم کا فرق و امتیاز کرنا قانون کی صریح خلاف ورزی ہے۔

ان وجوہ سے مسلمانوں کا اس ملک کو اپنا وطن بنانے اور یہاں رہنے بسنے کا فیصلہ محض قانونی یا سیاسی مجبوری نہیں بلکہ شرعی حکم اور دین کا تقاضا ہے۔

اس میں شک نہیں یہاں دستور کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہے، اس کی وجہ سے ظلم و زیادتی بھی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی مذہب کے نام پر کشمکش اور تصادم بھی ہوتا رہتا ہے لیکن یہ سب قانون کی نظر میں جرم ہے۔ اس کے خلاف آواز اٹھانے اور اپنے حق کے لئے جدوجہد کرنے کی ہر شہری کو اجازت ہے اور اس کے مواقع بھی حاصل ہیں۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

جب ہندوستان شرعاً اور قانوناً یہاں کے مسلمانوں کا وطن ہے۔ یہاں وہ اپنے مسلّمہ حقوق کے ساتھ رہ رہے ہیں تو انہیں ممکنہ حد تک شرعی زندگی گزارنی لازم ہے۔ وہ

شریعت کے ان تمام احکام کے مکلف ہیں جنہیں وہ انجام دے سکتے ہیں۔ جن احکام پر عمل نہیں کر سکتے ان کے سلسلہ میں کوشش کرنی ہوگی کہ اس کے مواقع حاصل ہو سکیں۔

آج کے جمہوری ممالک یا ہندوستان جیسے جمہوری ملک کی سی صورت حال غالباً ماضی میں نہیں تھی، اس لئے قدیم فقہاء کے ہاں اس پر بحث نہیں ملتی، البتہ انہوں نے دار الاسلام یا دار الحرب کی جو بحثیں کی ہیں ان سے اس سلسلہ میں مدد اور راہنمائی ضرور ملتی ہے۔

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ جمعہ کا قیام اسلامی ریاست کے امام یا اس کے نائب (مقرر کردہ فرد) کے ذریعہ ہوگا۔ لیکن امام یا اس کا نائب موجود نہ ہو تو مسلمان اپنے طور پر جمعہ قائم کریں گے۔ اس لئے کہ یہ ایک (دینی) ضرورت ہے۔ اسی طرح کسی شہر کا (مسلمان) حاکم مسلمانوں کو نقصان پہنچانے یا عناد اور دشمنی میں جمعہ کے قیام سے منع کر دے (یا اس معاملہ میں بے توجہی برتے) تو مسلمانوں کا اپنے اتفاق سے کسی کو ذمہ دار بنا کر اس کے پیچھے جمعہ ادا کرنا جائز اور درست ہوگا۔[1]

ایک صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ کسی (اسلامی) شہر کا والی اور حاکم غیر مسلم ہو تو مسلمانوں کا اپنے طور پر جمعہ قائم کرنا درست ہے اور وہ باہم اپنی مرضی سے قاضی مقرر کر سکتے ہیں۔ البتہ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمان حاکم کے تقرر کا مطالبہ کریں۔[2]

'جامع الفصولین' کے حوالہ سے کہا گیا ہے کہ جن شہروں میں کفار کی حکومت ہو، وہاں کے مسلمانوں کے لئے اپنے طور پر جمعہ اور عیدین کا نظم کرنا صحیح ہے۔ وہاں مسلمان اپنی مرضی سے قاضی مقرر کریں تو وہ (شرعاً) قاضی ہوگا۔ البتہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ مسلمان حاکم کا مطالبہ کریں۔[3]

یہ بحثیں بعض فروعی لیکن اہم مسائل سے متعلق ہیں اور اس پس منظر میں کی گئی ہیں جب کہ اسلامی ریاست کے حکمرانوں کی طرف سے اسلامی احکام پوری طرح نافذ نہ ہوں یا اسلامی ریاست کے کسی حصہ پر غیر مسلموں کا مکمل یا نامکمل قبضہ ہو جائے جس کے نتیجہ میں وہاں حسبِ سابق مسلمان قاضی

---

[1] ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار: ۱۴/۳۔

[2] حوالہ سابق

[3] رد المحتار علی الدر المختار: ۲۸۹/۶۔

باقی رہ بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی رہ سکتے۔ ان مباحث سے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ جن جمہوری ممالک میں غیر اسلامی حکومتیں قائم ہیں وہاں کے مسلمانوں کے درمیان ایسا نظم ضرور ہونا چاہئے کہ وہ شرعی زندگی گزار سکیں اور اپنے معاملات شرعی قوانین کے تحت طے کریں۔ اس کی کس جمہوری ملک میں کیا صورت ہو؟ اس پر تفصیل سے غور ہونا چاہیئے۔

اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ :

- ★ اسلام کیا ہے اور جاہلیت کیا؟
- ★ عقائد، اخلاق و اعمال میں اسلام اور جاہلیت کس طرح ایک دوسرے سے الگ اور ممیز رہتے ہیں؟
- ★ اسلام اور جاہلیت کے فطری اور مسلسل کشمکش کا اندازہ کیا ہے؟
- ★ غیرِ اسلام، پیروانِ اسلام کے ذہنوں میں نفوذ کرنے کے لیے کس طرح کوشاں رہا کرتا ہے؟

تو

تحریکِ اسلامی کے معروف و ممتاز عالمِ دین مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کی مایۂ ناز

تصنیف

معرکۂ اسلام و جاہلیت

کا مطالعہ کیجئے ــــ مصنف کے گہربار قلم نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے

اور ــــ ڈاکٹر اسرار احمد خاں نے اس وقیع اور عالمانہ تصنیف کو

ISLAMIC CIVILIZATION IN ITS REAL PERSPECTIVE

کے عنوان سے انتہائی معیاری اور دلکش اسلوب میں انگریزی کا جامہ پہنایا ہے۔

اردو اڈیشن: صفحات: ۲۱۶ قیمت -/۳۵ روپے۔ انگریزی اڈیشن: صفحات: ۱۳۷، قیمت ۹۰ روپے

ملنے کے پتے

- ★ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
- ★ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱